ہندوستان میں بارہویں صدی ہجری کا ادبی ماحول

ڈاکٹر سید محمد اصغر لکچرر شعبۂ فارسی۔ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

بارہویں صدی ہجری میں مغل بادشاہت کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ ۱۱۱۹ھ میں جب محی الدین اورنگ زیب کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹوں اور پھر اس کے نبیرگان میں اقتدار کے لئے جنگ شروع ہو گئی۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کو قتل کر کے تخت شاہی پر اپنا قبضہ جمانے کی کوشش میں لگا تھا۔ دہلی میں اس وقت سیاسی انتشار پھیلا ہوا تھا اور پورے ملک میں طوائف الملوکی کا سا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ آج جہاندار شاہ ہے تو کل اس کا بھتیجا فرخ سیر بادشاہ بنا ہوا ہے دوسرے دن سادات بارھہ اسکو قتل کر کے جہاندار شاہ کے بیٹے کو تخت شاہی پر بٹھا دیتے ہیں تو پھر وہ سادات بارھہ سے جنگ کرتا ہے غرضیکہ ہر وقت خوں ریزی ہو رہی تھی سیاسی بدحالی اور افراتفری تھی سارا نظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ امراء آپس میں ایک دوسرے چشمک اور حسد کرنے لگے تھے ایک امیر دوسرے امیر کو نیچا دکھانا حقیر و ذلیل کرنا چاہتا تھا ہر امیر کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ دربار میں اس کی بالادستی رہے نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ امیر دربار سے بدظن ہو کر چلے گئے۔ اور نظام الملک حیدرآباد میں جا بسے اور برہان الملک نے اودھ کا رخ کیا۔ اس سیاسی انتشار خلفشار اور زبوں حالی کے باوجود اس زمانے میں ادبی سرگرمیاں جاری رہیں۔ جیسے جیسے سیاسی انتشار بڑھتا گیا اسی طرح ادبی ماحول بتدریج بڑھتا گیا۔ جگہ جگہ ادباء، فضلاء اور شعراء پیدا ہوئے مرزا عبدالقادر بیدل، آنند رام مخلص، واقف لاہوری، سراج الدین علی خاں آرزو، شیخ علی حزیں، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی، اشرف مازندرانی، عبدالحکیم لاہوری، شاہ آفرین، سرخوش، بندرابن داس خوشگو، والہ داغستانی، میر غلام علی احسن بلگرامی، محمد احسن ایجاد، نسبتی تھانیسری، الفتی عظیم آبادی، قزلباش خاں امید

شفیعائی اثر، محمد علی تجرید، میر محمد علیم تحقیق، میر محمد افضل ثابت، میر تقی میر، محمد رفیع سودا وغیرہ وغیرہ مشہور و معروف شعرا اسی بارہویں صدی ہجری میں تھے۔ دہلی اس زمانے میں بھی ہندوستان کا دارالحکومت ہونے کی وجہ سے ادبار، فضلار، علمار، شعرار اور دیگر مختلف قسم کے فنکاروں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ دہلی کے اجڑنے سے دوسری جگہوں پر نئے نئے مراکز قائم ہونے لگے۔ حیدرآباد، لکھنؤ، عظیم آباد اور مرشدآباد میں علمار، فضلار، ادبار اور شعرار کی پرورش ہونے لگی۔ دہلی کے بعد لکھنؤ ادب کا سب سے بڑا مرکز بنا۔ کیونکہ دہلی کے اجڑنے کے بعد وہاں پر کئی بڑے شعرار اور ادبار مثلاً سراج الدین علیخاں آرزو، والہ داغستانی، عبدالحکیم حاکم لاہوری وغیرہ دیگر اور بھی شعرار اکٹھا تھے اسی طرح نظام حیدرآباد بھی بہت سے شعرار، علمار اور ادبار کی پرورش کر رہے تھے ان کا ایک خاص طریقہ یہ تھا کہ جس کسی کو دیکھا کہ وہ کسی فن کا ماہر ہے اور اس میں شہرت و مقبولیت حاصل کر چکا ہے تو اس کو دعوت نامہ کے ساتھ زادراہ بھیجا کر بلاتے تھے اور اس کی پذیرائی و پرورش کرتے تھے گاہے گاہے انعام و اکرام سے نوازتے تھے۔ چنانچہ مرزا عبدالقادر بیدل، سراج الدین علیخاں آرزو، مولانا شیخ علی حزیں، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی اور حاکم لاہوری کو دعوت نامے بھیجے۔ اسی طرح مرشدآباد میں بھی ہر میدان کے فنکاروں، شعرار، ادبار اور فضلار کا جمگھٹا تھا۔ مرشدآباد کے ناظم اعلیٰ نواب علاءالدولہ سرفراز خاں نے اکثر شعرار کو اپنے یہاں بلایا۔ میر مرتضیٰ حیدر دہلوی، میر مرتضیٰ حالت دہلوی، صانع بلگرامی میر عبدالجلیل بلگرامی، ابراہیم خاں خلیل وغیرہ وغیرہ وہاں گئے۔ صانع بلگرامی کچھ عرصہ بعد وہاں انتقال کر گئے جس سے فارسی ادب کو کافی نقصان پہنچا۔ کیونکہ وہ لوگوں کو شعر کہنے اور کتابیں لکھنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ صانع بلگرامی کے انتقال کے بعد دیگر کئی شعرار و مصنفین اس مرکز کی شہرت میں آئے ان سب نے مل کر اس مرکز کو سنبھالے رکھا۔ نواب علاءالدولہ سرفراز خاں کے انتقال کے بعد یہ مرکز عرصہ دراز تک قائم نہ رہ سکا۔ غالباً بارہویں صدی ہجری کے بالکل آخر میں اس مرکز پر زوال کے بادل چھانے لگے تھے۔ مگر یہاں تھوڑے عرصہ میں ہی ادب نے بہت ترقی پائی۔ ہرچند مرشدآباد پر زوال جلد آگیا مگر عظیم آباد (پٹنہ) میں راجہ "پیارے لال" الفتی کے نانا اور پھر انکے انتقال کے بعد خود الفتی فارسی ادب کے اس مرکز کو کافی عرصہ تک قائم رکھے رہے۔ ان کے گھر میں خود ان کا ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جس میں تقریباً ۲۵ ہزار کتابیں جمع کئے ہوئے تھے۔ پہلے الفتی دہلی

میں تھے اور وہ وہاں پر فارسی ادب کی خدمت کے ساتھ ساتھ بادشاہ (اکبر شاہ ثانی) کو ہر وہ طریقہ کار اپنانے کے لیئے صلاح و مشورہ دیا کرتے تھے جس سے مغل بادشاہ کے مفادات زیادہ سے زیادہ محفوظ رہیں۔ انگریزوں کو یہ بات پسند نہیں تھی اس وقت وہ اپنی طاقت بہت بڑھا چکے تھے جسکی وجہ سے وہ بادشاہ پر بار بار دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ الفتی کو برطرف کردے بادشاہ نے انگریزوں کے دباؤ سے مجبور ہو کر الفتی کو ہٹا دیا۔ الفتی خاموشی سے اپنے وطن واپس چلے گئے اور سیاسی زندگی سے مکمل طور پر کنارہ کشی اختیار کر لی مگر چونکہ وہ عظیم آباد کے بہت بڑے رئیس تھے اور اپنے گھر پر ایک بہت بڑا کتب خانہ رکھتے تھے اس لیئے انہوں نے ادب کی طرف توجہ دی۔ رفتہ رفتہ الفتی کی ادبی خدمت کی شہرت پھیلنے لگی۔ اس لیئے علماء، ادباء اور شعراء وغیرہ وہاں جمع ہونے لگے ان کے گھر پر ادبی محفلیں منعقد ہونے لگیں۔ نتیجتاً ادبی ماحول ترقی پاتا گیا۔ نئی نئی کتابیں تصنیف ہوئیں اور کچھ شعراء نے اپنے دیوان مرتب کئے۔ یہ مرکز دکن اور اودھ کیطرح بڑا تو نہیں تھا کیونکہ یہاں پر شعراء وادباء کو مذکورہ بالا دونوں مراکز کی طرح وظیفہ اور انعام وغیرہ نہیں ملتا تھا اس لیئے یہاں کم لوگ اکٹھا ہوئے۔ دکن اور اودھ دونوں جگہوں پر شعراء، فضلاء، علماء، ادباء اور دیگر فنکاروں کی پرورش ہو رہی تھی اور انھیں ماہانہ وظیفہ ملتا تھا ظاہر سی بات ہے کہ ایک مرکز کے ختم ہونے سے جب چار دوسرے نئے مراکز قائم ہوں گے تو وہاں پر شعراء، علماء، ادباء، اور فضلاء کی تعداد زیادہ ہو گی تو تصانیف بھی اسی کے مطابق زیادہ وجود میں آئیں گی۔ اسوقت شعر گوئی اپنے عروج پر تھی شعرا ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور زیادہ سے زیادہ اشعار کہتے تھے مصنفین بھی اسی طرح بڑھ چڑھ کر کتابوں کی تصنیف میں حصہ لیتے رہے۔ البتہ شاعری کا معیار پہلے سے بلند نہیں تھا بلکہ کم تر ہی تھا مگر نثری تصانیف بہت عمدہ اور اچھی وجود میں آئیں بارہویں صدی ہجری میں فارسی ادب میں ایک نئی صنف ضرور وجود میں آئی جو اس سے پہلے کسی صدی میں نہیں پائی جاتی تھی وہ ہے تنقید۔ اس نے فارسی ادب میں ایک باب نو کا اضافہ کیا۔ چنانچہ سراج الدین علیخاں آرزو، منیر لاہوری، حاکم لاہوری، ملا شیدا، سودا، فاخر مکیں اور امام بخش صہبائی وغیرہ وغیرہ نے تنقیدی کتابیں لکھیں۔

دہلی اجڑنے کے بعد سراج الدین علیخاں آرزو لکھنؤ چلے گئے وہاں پر بھی انھوں نے

ادبی سرگرمیاں شروع کردیں اس سے پہلے جب وہ دہلی میں تھے تو وہاں انھیں جو ادبی ماحول پہلے ملا تھا اس میں گرمی اور تیزی پیدا کردی تھی۔ جس سے وہ اپنے عروج پر پہونچ گئی تھیں۔ نادرشاہ کے حملے سے دہلی بہت اجڑ گئی لیکن ادبی سرگرمیاں اس کے بعد بھی جاری رہیں۔ کبھی آنند رام مخلص کے گھر پر تو کبھی کسی دوسرے کے یہاں یا کبھی وکیل پورہ محلہ میں واقع سراج الدین علیخاں آرزو کے مکان میں شعراء ادباء اور علماء و دانشوروں کا مجمع اکٹھا ہوتا تھا رفتہ رفتہ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اسی درمیان زیب المساجد میں سعد اللہ گلشن کی ادبی محفلیں اور مرزا عبد القادر بیدل کے مکان پر شعر خوانی کی محفلیں برپا ہوتی تھیں۔ پھر بیدل کے انتقال کے بعد آرزو نے ہر شب جمعہ میں اپنے مکان پر مشاعرہ کرنا شروع کر دیا۔ شاعری کے ساتھ علمی مباحثے بھی بہت زیادہ ہوتے تھے۔ پھر علی حزیں کی اعتدال سے تجاوز کی ہوئی تنقید نے دہلی کے ادیبوں کو متحد کرکے ان کے قلم کی حرکت میں جوش پیدا کر دیا۔ چنانچہ سراج الدین علی خاں آرزو نے انکی سربراہی کی اور علی حزیں کی تنقید اور اعتراضات کا جواب دینے لگے۔ آرزو نے علی حزیں کا جواب دینے میں بہت سخت رویہ اپنایا خواہ وہ تحریری ہو یا زبانی۔ ان کی اس سخت رویہ سے کچھ ہندوستانی شعراء اور دہلی میں مقیم ادباء دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ آرزو کے ساتھ رہا اور دوسرا گروہ علی حزیں کے ساتھ ہو گیا۔ علی حزیں کے گروہ نے آرزو کی سخت تنقید کا جواب بھی دیا۔ اسی موضوع کو لے کر سودا اور فاخر مکیں میں بحث و تکرار ہوئی اور مضمون بازی بھی ہوئی ایک نے اعتراضات کی بوچھار کی تو دوسرے نے اس کے اعتراضات کے جواب کی بارش کر ڈالی علی حزیں کے گروہ کے کچھ لوگوں نے آرزو کی کتاب تنبیہ الغافلین اور احقاق الحق (جو علی حزیں کے کلام پر تنقید ہیں) کا جواب لکھا۔ اسی ادبی لڑائی میں جو علی حزیں اور آرزو کے انتقال کے بعد بھی چلتی رہی امام صہبائی نے بھی حصہ لیا اور آرزو کی کتاب "احقاق الحق" کے جواب میں ان کے مرنے کے بعد "اعلام الحق" کتاب لکھی۔ اس ادبی جنگ نے بارہویں صدی ہجری میں فارسی ادب کے ماحول کو خاصا سرگرم رکھا۔

مختلف تذکروں کو دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس بارہویں صدی ہجری کے نصف اول میں ایک ہزار سے زائد شعراء تھے صرف صحف ابراہیم میں اس صدی کے شعراء کی تعداد ۶۶۵ دی ہوئی ہے۔ ایسے بہت سے شعراء ہیں کہ جنکا نام اس تذکرے میں نہیں آیا ہے وہ دیگر تذکروں میں ملتے

ہیں۔ سبھی تذکروں میں عموماً انھیں شعرا کا نام محفوظ ہوا ہے جو تھوڑا مشہور ہو گئے تھے۔ یقیناً بہت سے ایسے شعراء رہے ہوں گے جو گمنامی میں رہے۔ اور ختم ہو گئے۔ ان کا ذکر تذکروں میں نہیں آسکا۔ یہ بات مبالغہ آمیز نہ ہوگی۔ کہ بارہویں صدی ہجری میں جتنے تذکرے لکھے گئے شاید ہی اتنے تذکرے کسی دوسری صدی میں لکھے گئے ہوں گے۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کے تین تذکرے "ید بیضا" "خزانۂ عامرہ" "سرو آزاد" علی حزیں کا تذکرہ "تذکرۃ المعاصرین" آرزو کا تذکرہ "مجمع النفائس" خوشگو کا تذکرہ "سفینۂ خوشگو" علی ابراہیم خاں خلیل کے چار تذکرے "صحف ابراہیم" "خلاصۃ الکلام" "محافل الشعراء" اور "تذکرۂ شعرائے ریختہ" الفتی کا تذکرہ ایک دوسرے علی ابراہیم کا تذکرہ "گلزار ابراہیم" نقش علی کے دو تذکرے "باغ معانی" اور "تذکرۃ الشعراء" احمد علی سندیلی کا تذکرہ "مخزن الغرائب" والہ داغستانی کا تذکرہ "ریاض الشعراء" میر تقی میر کے دو تذکرے "نکات الشعراء" اور "ذکر میر" مرزا سرخوش کا تذکرہ "کلمات الشعراء" اور دیگر تذکرے مرأت الخیال گلزار خیال" وغیرہ وغیرہ اسی بارہویں صدی ہجری میں لکھے گئے۔

بارہویں صدی ہجری میں اتنی زیادہ تعداد میں شعراء کا وجود، تذکرہ نگاروں کا کثرت کے ساتھ تذکرے مرتب کرنا، ادبی بحث و مباحثہ کا ہونا، عمدہ اور اچھی نثری کتابوں کا ملنا یہ سب اس بات کے بیّن ثبوت ہیں کہ بارہویں صدی ہجری میں فارسی کا ادبی ماحول عام طور پر کافی سرگرم رہا۔ اسی صدی میں فارسی ادب کے ساتھ دیگر فنون کی بھی ترویج اور ترقی ہوئی۔

مآخذ و ذرائع

۱۔ مجمع النفائس ؛ سراج الدین علی خاں آرزو ؛ خدابخش لائبریری پٹنہ ۱۹۷۵ء

۲۔ صحف ابراہیم ؛ ابراہیم خاں خلیل ؛ " " " ۱۹۷۸ء

۳۔ خلاصۃ الکلام ؛ " " " ؛ " " " ۱۹۷۸ء

۴۔ باغ معانی ؛ نقش علی ؛ " " " ۱۹۷۸ء

۵۔ خزانۂ عامرہ ؛ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی ؛ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۷۱ء

۶۔ سرو آزاد ؛ " " " " " ؛ مطبع دخانی لاہور ۱۹۱۲ء

(باقی ص۱۸ پر)